مولانا ابوالکلام آزاد کے اسلوب نثر کا تنوع

ڈاکٹر محمد اسلم جامعی

صدر شعبۂ اردو، ماں شاردا، پی۔جی۔کالج، بندکی فتح پور، کانپور منڈل

مولانا ابوالکلام آزاد نے ادبی اور دانشورانہ زندگی کا آغاز اپنی صحافیانہ سرگرمیوں سے کیا تھا۔ اس صحافت میں مولانا کی شخصیت کے ناگزیر اجزا سیاست، سماجی سوجھ بوجھ اور مذہب کے عناصر شامل تھے۔ صحافت سے شروع ہونے والے ادبی سفر کے مختلف مراحل تاریخ، تذکرہ، تفسیر، انشائیہ نما مکاتیب تھے۔ ادبی اور اسلوبیاتی نقطۂ نظر سے مولانا آزاد کا پہلا دور لسان الصدق، الوکیل، الہلال، البلاغ سے ہوتا ہوا تذکرہ پر ختم ہوتا ہے۔ تذکرہ ہی وہ کتاب ہے جس میں ان کے علمی اور تخلیقی اسلوب نگارش کے دوسرے دور کے آغاز کی بھی نشاندہی کی جاسکتی ہے۔ تذکرہ کا تاریخی اور کسی حد تک صحافیانہ انداز تحریر مولانا کی اس مؤثر نثر کا نقطۂ عروج ہے جو لسان الصدق سے لے کر الہلال تک عربی اور فارسی کے الفاظ و تراکیب جا و بے جا شمولیت، بلند آہنگی اور مرعوب کن ہیبت و جلال کے باعث اس ناہمواری، غرابت اور اجنبیت کا بھی بہت کم احساس ہونے دیتی ہے جو ان کی ابتدائی نثر میں خاص نمایاں ہے۔ اس دور کی نثر میں ان کی خطیبانہ بلند آہنگی اور علمی شان اپنے ہزار رنگ جلوؤں کے ساتھ بکھری پڑی ہے۔ اس میں جذبے کی شدت بھی ہے اور دعوت و عزیمت کی علویت بھی۔ یہ نثر مطالعہ، ذہنی استحضار اور قومی و ملی تشخص کا بھی احساس دلاتی ہے۔ تاہم مولانا کی تحریروں کی یہ تمام خصوصیات اپنی عصری معنویت رکھنے کے باوجود ترجمان القرآن اور غبار خاطر کی نثر کے درجۂ کمال تک نہیں پہنچتیں۔ یہ وہ درجۂ کمال ہے جس کا نقطۂ آغاز 'تذکرہ' کے بعض حصوں میں نظر آتا ہے، مگر تذکرہ کی نثر کا بھی غالب رجحان نہیں بن پاتا۔ اس طرح تذکرہ کی نثر مولانا کے ادبی سفر میں ایک موڑ، ایک تبدیلی اور ایک انحراف کے ابتدائی آثار کی نمائندگی کرتی ہے۔ تذکرہ میں اپنے بزرگوں اور ان کے متعلقین کے احوال و کوائف بیان کرتے ہوئے جب مولانا 'خودنوشت سوانح' کا رنگ اختیار کرنے کی کوشش کرتے ہیں تو ان کی نثر میں ایک ایسی تخلیقی شان پیدا ہو جاتی ہے جس میں شعری اور تخلیقی اظہار کے مختلف عناصر کو ایک ساتھ دیکھا جا سکتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

> ''کبھی سرو کی بلند قامتی پر رشک آیا تو سربلندی و سرفرازی کے لیے دل خون ہوا۔ کبھی سبزۂ پامال کی خاکساری و افتادگی پر نظر پڑ گئی تو اپنے پندار و خود پرستی پر شرم آئی۔ کبھی بادصبا کی روش پسند آئی تو اقامت گزینی سے وحشت ہوئی آوارگی و رہ نوردی کی دل میں ہوا سمائی۔ کبھی آب رواں کی بے قیدی و بے یقینی اس طرح جی کو بھائی کہ پابندیوں اور گرفتاریوں پر آنکھوں نے آنسوؤں اور دل نے زخموں کے ساتھ ماتم کیا جب کبھی مسکراتے دیکھا تو اپنی آنکھوں نے بھی رونے میں کمی نہ کی اور درختوں کو جب کبھی جنبش ہوئی، شاخوں نے جھوم جھوم کر وجد کیا، تو اپنی سنگینی اور بے حسی بھی ضرور یاد آ گئی۔''

اقتباس میں رعایت لفظی، حسن تراکیب اور نت نئے انداز میں تشبیہی پیکروں کے ابھارنے کا انداز مولانا کے ابتدائی پرشکوہ طرز نگارش اور علمی دبازت سے یکسر مختلف ہے۔ اس اسلوب تحریر کو علمی سے زیادہ تخلیقی اسلوب کے زمرے میں رکھا جا سکتا ہے، لیکن ایسا بھی نہیں ہے کہ تذکرہ کے بعد مولانا کے جو نثری اسالیب ملتے ہیں وہ پورے طور پر مندرجہ بالا نثر ہی کے اسلوب کی توسیع ہیں۔ یہ اقتباس دراصل اس تبدیلی کا اشاریہ ہے جو مولانا کی علمیت، بلند آہنگی اور خطابت کے ساتھ ان کی نثر میں تخلیقی اور شعری عناصر کی شمولیات کا پتہ دیتی ہے۔ یہی سبب ہے کہ صرف غبار خاطر میں ہی نہیں بلکہ ترجمان القرآن میں بھی موصوف کو جہاں کہیں مسائل و مباحث پر تفصیل سے اظہار خیال کا موقع ملا ہے، انہوں نے اپنی علمیت کے ساتھ سلاست بیان اور تخلیقی شان کے جوہر ضرور دکھائے ہیں۔ یہ وہی سلاست بیان اور تخلیقی اسلوب نثر ہے جس کو بالعموم مولانا کی نثر نگاری کے پورے سیاق و سباق میں دیکھنے کے بجائے صرف غبار خاطر کے تناظر میں دیکھنے اور پرکھنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اس طرز تنقید کا نتیجہ یہ نکلا کہ مولانا کی نثری کاوشوں کا دائرۂ کار، عموماً مولانا کے انشائیہ نما مکاتیب اور

مکتوب نما انشائیوں کے دائرے میں حصار بند کر کے دیکھا جانے لگا۔ البتہ جن معدودے چند نقادوں نے مولانا کی ابتدائی نثر کو موضوع بحث بنانے کی کوشش کی، انہوں نے پس منظر پر اتنی توجہ صرف کی کہ اصل منظر نامہ دھندلا ہو کر رہ گیا۔ مولوی عبدالحق اور محمد حسن عسکری نے آزاد کی نثر کو اردو نثر کے بنیادی سلسلۂ نسب سے دور قرار دیا اور اس پر غیر ضروری صناعی کا الزام عائد کیا۔ ڈاکٹر سید عبداللہ نے ان کے برخلاف ایک اور ہی زاویۂ نگاہ اختیار کیا۔ ان کو مولانا آزاد کا بنیادی اور سچا اسلوب، الہلال اور البلاغ میں نظر آیا اور غبار خاطر ان الفاظ میں پژمردہ اور تھکے ہوئے اسلوب کی نمائندہ کتاب ٹھہری:

''ان کے بلند پایہ ادبی کارناموں میں غبار خاطر ہی ایک ایسی کتاب ہے جو ابوالکلام کی اصلی نثر سے بہت دور ہے۔ اس میں ابوالکلام کی تصویر بہت مدھم اور دھیمی ہے۔ اس میں ابوالکلام کا قلم بیمار اور ضعیف معلوم ہوتا ہے۔ پھر یہ بات بھی ہے کہ غبار خاطر میں ابوالکلام کی وہ علمی شان بہت کم نمودار ہوئی ہے جس کے طفیل وہ عزت وعظمت کے مستحق بنے تھے اور سچ یہ ہے کہ غبار خاطر، اس داعیۂ عظیم اور جذبۂ شدید سے بھی خالی ہے جس کے شعلے الہلال میں مشتعل ہو کر اقصائے ہند میں آگ لگا چکے تھے۔''

تاہم غور طلب بات یہ ہے کہ اگر یہ نقائص غبار خاطر کی نثر کے ہیں تو ترجمان القرآن کی نثر کے بھی ہیں اور ان تمام مکاتیب ومضامین کی نثر کے بھی جو نثر مولانا آزاد کی ذہنی وفکری پختگی اور ایک کہنہ مشق نثر نگار کے اعتدال وتوازن کے عہد کی سچی اور جینون نمائندگی کرتی ہے۔ ظاہر ہے کہ صورت حال ایسی نہیں۔ اس لیے کہ غبار خاطر کا اسلوب نگارش کسی اچانک تبدیلی کا نتیجہ نہیں ہے۔ یہ اسلوب اس تدریجی ارتقا کی آخری کڑی ہے جس کا سلسلہ جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے کہ تذکرہ کے بعض مقامات سے شروع ہو گیا تھا اور جس اسلوب کو ترجمان القرآن لکھنے کے زمانے میں استحکام حاصل ہوا۔ یہی سبب ہے کہ ترجمان القرآن اور غبار خاطر کے نثری اسلوب میں بعض حیرت انگیز مماثلتیں ملتی ہیں۔ بسا اوقات یہ مماثلتیں موضوعات اور مضامین کی بھی ہیں، مگر دونوں کتابوں میں مولانا کا اسلوب نگارش موضوع گفتگو سے ہی فیضان حاصل کرتا دکھائی دیتا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ موضوعاتی مناسبت اور مماثلت کے ساتھ ان کے مخصوص اسلوب کی تشکیل کے عناصر بھی جس طرح دونوں جگہ یکساں ہیں اسی طرح تذکرہ سے پہلے کے اسلوب سے بڑی حد تک مختلف اور ممتاز بھی ہیں۔ سہولت کی خاطر ایک ہی موضوع پر اظہار کے دو نمونے ترجمان القرآن اور غبار خاطر سے پیش کیے جا سکتے ہیں یہ وہی موضوع ہے جس پر تذکرہ کے ایک اقتباس کو پیش کر کے آغاز گفتگو میں مولانا کے بدلے ہوئے انداز نثر کا اندازہ لگانے کی کوشش کی گئی ہے۔ مولانا غبار خاطر میں ایک جگہ اپنے گزرے ہوئے دنوں کا حساب ان الفاظ میں کرتے ہیں:

''... جس نامراد ہستی کو چودہ برس کی عمر میں زمانہ کی آغوش سے اس طرح چھین لیا گیا ہو، وہ اگر کچھ عرصہ کے لیے شاہراہ عام سے گم ہو کر آوارۂ دشت وحشت نہ ہوتی تو اور کیا ہوتا... اگر چہ قدم قدم پر ٹھوکروں سے دوچار ہونا پڑا اور چپہ چپہ پر رکاوٹوں سے الجھنا پڑا مگر طلب ہمیشہ آگے آگے ہی کی طرف بڑھائے لے گئی اور جستجو نے کبھی گوارہ نہیں کیا کہ درمیانی منزلوں میں رک کر دم لے لے۔ بالآخر دم لیا تو اس وقت جب منزل مقصود سامنے جلوہ گر تھی اور اس کی گرد راہ سے چشم تمنائی روشن ہو رہی تھی۔ چوبیس برس کی عمر میں جب کہ لوگ عشرت شباب کی سرمستیوں کا سفر شروع کرتے ہیں، میں اپنی دشت نوردیاں ختم کر کے تلوؤں کے کانٹے چن رہا تھا۔''

(غبار خاطر:۱۰۳)

ترجمان القرآن کے مقدمے میں مولانا اصول تفسیر سے بحث کرنے کے بعد ایک مفسر کی حیثیت سے جہاں ذہن اور زندگی کی ناقابل عبور وادیوں کو سر کرنے کا تعلّی آمیز ذکر کرتے ہیں اور در پردہ اپنی اہلیت کا اعتراف کرانا چاہتے ہیں وہاں بھی ان کے اسلوب بیان میں علمیت کے ساتھ ساتھ وہی تخلیقی شان ہے جو غبار خاطر میں جگہ جگہ دیکھنے کو ملتی ہے:

''.....میرے لیے وقت کی جدید راہیں بھی ایسی ہی دیکھی بھالی ہیں جس طرح قدیم راہوں میں سارے کانٹے نہ چھ چکے ہوں اور میری روح کا کوئی اعتقاد ایسا نہیں ہے جو انکار کی ساری آزمائشوں میں سے نہ گزر چکا ہو۔ میں نے زہر کے گھونٹ بھی ہر جام سے پیئے ہیں اور تریاق کے نسخے بھی ہر دار الشفا کے آزمائے ہیں۔ میں جب پیاسا تھا، تو میری لب تشنگیاں دوسروں کی طرح نہ تھیں اور جب سیراب ہوا تو میری سیرابی کا سرچشمہ بھی شاہراہ عام پر نہ تھا۔''

(ترجمان القرآن، مقدمہ:۱۹)

یہ بظاہر ایک درماندہ مسافر کی گرد سفر ہے، مگر درحقیقت تمام متخالف

رجحانات اور عوامل سے ثابت وسالم نکل آنے کا فن کارانہ اعلان بھی ہے۔ یہ اعلان غبار خاطر کے متذکرہ بالا اقتباس میں بھی ہے، مگر اس میں وضاحت ہے، بلند آہنگی ہے اور کہیں کہیں خودستائی کی چوٹ پڑتی نظر آتی ہے۔ ترجمان القرآن کے ان جملوں میں جو کچھ ہے وہ تحت البیان میں ہے، مگر جو بات دونوں اقتباسات میں مشترک ہے وہ ان کی تخلیقی شان ہے۔ ان تخلیقات کو پیدا کرنے کے لیے شعری وسائل کا بھی سہارا لیا گیا ہے اور شعریت سے الگ ہو کر بیانیہ میں خود کلامی کی کیفیت بھی پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ یہ کوشش شعوری ہے یا غیر شعوری اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس لب و لہجے میں بات کہنے کی کوشش سے ہر چند کہ مولانا کی صحافتی نثر بھی خالی نہیں اور ابتدائی زمانے کی بعض دوسری تحریریں بھی، مگر اس نوع کی ابتدائی تحریروں پر ان کا بوجھل اسلوب غالب ہے۔ عربی اور فارسی کے الفاظ اور تراکیب جگہ جگہ غرابت لفظی پیدا کرتے ہیں اور کم و بیش وہی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے جسے بعض اہل نظر مصنوعی طرز نگارش سے موسوم کر چکے ہیں۔ دور اول کی اس قسم کی تحریروں کے برخلاف ترجمان القرآن میں ان کا اسلوب فطری اظہار اور غیر مصنوعی سلیقۂ گفتار کا احساس دلاتا ہے۔ ترجمان القرآن میں مولانا کی نثر عربیت زدگی سے نجات یافتہ بھی ہے اور ساتھ ہی قرآنی آہنگ سے لبریز بھی۔ مولانا کی نثر میں عربیت زدگی اور عربی لہجہ یا قرآنی آہنگ کے فرق کو محسوس کرنے کے لیے مولانا کے اداریوں سے لے کر تذکرہ کے بیشتر حصوں کو اول الذکر مثال کے طور پر اور ترجمان القرآن اور غبار خاطر کی نثر کو مؤخر الذکر آہنگ سے مملو ہونے کی مثال کے طور پر پیش کیا جا سکتا ہے۔ قرآن کریم میں زجر و توبیخ، عبرت و نصیحت اور استفہام و استعجاب کے جن لہجوں سے ہم دو چار ہوتے ہیں ان کی جھلک ان اقتباسات میں دیکھی جا سکتی ہے۔ مولانا غبار خاطر میں ایک جگہ حکایت بادۂ تریاک کے ذیل میں قدرت خداوندی کے بوقلموں جلوؤں کا نظارہ اس طرح کرتے ہیں:

''اندھیری راتوں میں جب آسمان کی قندیلیں روشن ہو جاتی ہیں تو صرف قید خانے کے باہر ہی نہیں چمکتیں، اسیران قید و محن کو بھی اپنی جلوہ فروشیوں کا پیغام بھیجتی رہتی ہیں۔ صبح جب تباشیر بکھیرتی ہوئی آئے گی اور شام جب شفق کی گلگوں چادریں پھیلانے لگے گی تو صرف عشرت سراؤں کے دریچوں ہی سے اس کا نظارہ نہیں کیا جائے گا، قید خانے کے روزنوں میں لگی ہوئی نگاہیں بھی انہیں دیکھ لیا کریں گی۔ فطرت نے انسان کی طرح کبھی یہ نہیں کیا کہ کسی کو شاد کام رکھے، کسی کو محروم کر دے، وہ جب کبھی اپنے چہرے سے نقاب الٹتی ہے تو سب کو یکساں طور پر نظارۂ حسن کی دعوت دیتی ہے۔ یہ ہماری غفلت اندیشی ہے کہ نظر اٹھا کر دیکھتے نہیں اور صرف اپنے گردوپیش میں کھوئے رہتے ہیں۔'' (غبار خاطر، ص:۶۹)

نثر کا یہ لہجہ جہاں مولانا کے خطیبانہ طرز اظہار کا نمونہ ہے وہیں لفظوں کی نشست و برخاست اور جملوں کا در و بست اس قرآنی اسلوب سے بھی ہم آہنگ ہے جس کو تفسیر قرآن لکھنے کے دوران مولانا نے دریافت کیا تھا اور بعد کے زمانے میں اپنے مخصوص، پختہ اور منفرد اسلوب کی شکل میں استحکام بخشا تھا۔ اس بات کی توثیق ترجمان القرآن کے مختلف مباحث کی نثر سے کی جا سکتی ہے۔ سردست ایک ایسے نمونے پر اکتفا کیا جاتا ہے جس کا انداز تحریر محولہ بالا اقتباس سے بڑی حد تک مماثل ہے:

''چیونٹی اپنے بل میں رینگ رہی ہے، کیڑے مکوڑے، کوڑے کرکٹ میں ملے ہوئے ہیں، مچھلیاں دریا میں تیر رہی ہیں، پرند ہوا میں اڑ رہے ہیں، پھول باغ میں کھل رہے ہیں، ہاتھی جنگل میں دوڑ رہا ہے اور ستارے فضا میں گردش کر رہے ہیں، لیکن فطرت کے پاس سب کے لیے یکساں طور پر پروش کی گود اور نگرانی کی آنکھ ہے اور کوئی نہیں جو فیضان ربوبیت سے محروم ہو۔'' (ترجمان القرآن ص:۳۶)

یہ نثر غبار خاطر کے انشائیے کی نثر نہیں بلکہ ترجمان القرآن کے اس حصے کی نثر ہے جس میں مولانا نے ربوبیت باری کی وضاحت کرتے ہوئے اپنے علمی، استدلالی، اور تخلیقی اسلوب کو قرآنی آہنگ کے زیر و بم سے ہم آہنگ کر دیا ہے۔ اس اسلوب میں کبھی خطاب کی لذت ملتی ہے، تو کبھی رجز یہ انداز کی حرکت، اس میں دیکھی ہوئی دنیا کو نئے زاویوں سے دکھانے کی کوشش بھی ہے اور حافظے اور حواس کو مہمیز کرنے کی ترغیب بھی۔ یہ اگر صرف خطابیہ انداز پر مبنی نثر ہوتی تو اس میں صرف تکرار اور بلند آہنگی سے کام لیا گیا ہوتا۔ جب کہ اس میں حقائق کو کسی کلیہ کے تابع کر دیا جاتا ہے۔ ترجمان القرآن میں نثر کے ایسے نمونے ان گنت ہیں اور غبار خاطر کی نثر واضح طور پر اسی نثری اسلوب کی توسیع ہے۔ غبار خاطر میں مولانا اگر اپنے مکتوب الیہ سے ہم کلام ہوتے ہیں تو مکالماتی فضا پیدا کر دیتے ہیں اور جب آزادانہ طور پر مکتوب یا انشائیہ کو اپنے خیالات کے اظہار کا وسیلہ بناتے ہیں تو ان کا انداز خود کلامی کا ہو جاتا ہے۔ اس طرح غبار خاطر

کا معتد بہ حصہ مکالمے اور خود کلامی کے لب و لہجے کا بھی احساس دلاتا ہے، مگر یہ لب ولہجہ مولانا کے بنیادی علمی، استدلالی اور خطیبانہ لہجے پر مستزاد کی حیثیت رکھتا ہے، تاہم یہی مستزاد عنصر ان کی نثر کو تخلیقی نثر کی بعض نئی جہات سے بھی آشنا کرتا ہے۔ ان جہات کا سراغ سب سے پہلے تو ترجمان القرآن کی نثر میں کیوں کر لگایا جا سکتا ہے اس کی مثالیں پیش کی جا چکی ہیں۔ اب ذرا یہ دیکھنے کی کوشش کی جائے کہ کہیں ترجمان القرآن اور غبار خاطر کے متذکرہ بالا اقتباسات میں اسلوبیاتی مماثلت محض اتفاقی تو نہیں ہے؟ اس سلسلے میں موضوعاتی یکسانیت ہماری زیادہ مدد کر سکتی ہے۔ ترجمان القرآن اور غبار خاطر کے زمانی بُعد کو ذہن میں رکھنے کے بجائے اگر دونوں کو ایک ساتھ پڑھا جائے تو اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ تقریباً پندرہ بیس سال کے فرق سے لکھی جانے والی تحریروں میں موضوع اور اظہار کی ہم آہنگی دونوں کتابوں کو کس حد تک ایک دوسرے سے قریب کر دیتی ہے۔ یہ بات تو کسی کی نگاہ سے مخفی نہیں کہ مولانا آزاد نے خواہ صحافیہ مضامین لکھے ہوں، تقریر کی ہو، مختلف موضوعات پر کتابچے لکھے ہوں۔ انشائیہ نگاری کی ہو، خطوط لکھے ہوں یا تفسیر قرآن لکھی ہو، وہ ہر جگہ اپنے عالمانہ اور مذہبی منصب پر فائز نظر آتے ہیں۔ اس لیے اگر ترجمان القرآن کے مباحث و موضوعات حتیٰ کہ اسلوب تحریر کی گونج ان کے بعد کی تحریروں میں نمایاں معلوم ہوتی ہے تو کوئی حیرت کی بات نہیں۔ اب رہی موضوعاتی مناسبت اور تعلق کی بات، تو ترجمان القرآن میں ربوبیت کی کوئی بحث پڑھ جائیے اور غبار خاطر میں خالق و مخلوق کے رشتے پر مختلف خطوط پر نگاہ ڈالیے تو اندازہ ہو جائے گا کہ ہر جگہ ترجمان القرآن کی گونج کیوں کر سنائی دے رہی ہے۔ اسی طرح خدا کے وجود، توحید اور تخلیق عالم کے موضوعات کا معاملہ بھی ہے۔ مندرجہ ذیل دو مثالوں کی مدد سے اس موضوعاتی مماثلت کو بخوبی سمجھا جا سکتا ہے۔ مولانا غبار خاطر میں لکھتے ہیں:

> ''یہ کیا بات ہے کہ انسان خدا کے ماورائے تعقل اور غیر شخصی تصور پر قانع نہیں رہ سکا اور کسی نہ کسی شکل میں اپنے فکر واحساسات کے مطابق ایک شخصی تصور پیدا کرتا رہا۔ اس کی علت بھی یہی ہے کہ انسان کی فطرت کو بلندی کے ایک نصب العین کی ضرورت ہے اور اس ضرورت کی پیاس بغیر ایک مشخص اور علائق نواز تصور کے بجھ نہیں سکتی۔ حقیقت کچھ بھی ہو، لیکن یہ جب کبھی اس کے سامنے آئے گا تو تشخص کی ایک نقاب چہرہ پر ضرور ڈال لے گا۔ یہ نقاب کبھی بھاری رہی، کبھی ہلکی ہو گئی، کبھی ڈرانے والی رہی، کبھی لبھانے والی بن گئی، لیکن چہرہ سے کبھی اتری نہیں اور یہیں سے ہماری دیدۂ صورت پرست کی درماندگیاں شروع ہو گئیں۔'' (غبار خاطر، ص:۱۱۹)

اسی موضوع پر ترجمان القرآن میں وہ اس طرح اظہار خیال کر چکے ہیں:

> ''عقل انسانی کا ادراک محسوسات کے دائرے میں محدود ہے، اس لیے اس کا تصور اس دائرے سے باہر قدم نہیں نکال سکا۔ وہ جب کسی اَن دیکھی اور غیر محسوس چیز کا تصور کرلے گی تو ناگزیر ہے کہ تصور میں وہی صفات آئیں گی جنہیں وہ دیکھتی اور سنتی ہے اور جو اس کے حاسۂ ذوق ولمس سے باہر نہیں ہے''...
> (ترجمان القرآن، ص:۱۳۲)

ہر چند کہ ان دونوں اقتباسات میں موضوع کی یکسانیت بھی ہے اور دونوں پر مولانا کے مخصوص اسلوب نثر کی چھاپ بھی ہے، مگر یہ دونوں نمونے ان کے ممتاز ترین انداز نگارش کی نمائندگی نہیں کرتے۔ ان دونوں نمونوں میں جو مناسبت ہے وہ مواد کی ہے، لفظیات کی ہے اور طرز فکر کی ہے۔ یہ مناسبت بھی اسی مفروضے کو پایۂ اعتبار تک پہنچاتی ہے کہ غبار خاطر میں سامنے آنے والی بعد کی تحریروں میں اسی فکری، علمی اور ادبی شخصیت کا ارتفاع نظر آتا ہے، جس کی تشکیل کے عناصر ترجمان القرآن لکھنے کے عمل کے ساتھ ساتھ اعتدال و استحکام کی منزل تک پہنچنے میں کامیاب ہو چکے تھے، ورنہ کیا سبب ہے کہ 'غبار خاطر' میں زیر بحث آنے والی 'دیدۂ صورت پرست کی درماندگی' کا مسئلہ ترجمان القرآن میں 'فکر انسانی کی پہلی درماندگی' کے لفظوں میں بہت سادکھائی دیتا ہے۔ کیا یہ محض اتفاق ہے کہ فطرت کے یکساں فیضان قدرت کا نکتہ، غبار خاطر میں نظام قدرت کے تحت جاری و ساری مساوات اور نظارۂ حسن فطرت کی بلا تفریق دعوت کے عنوانات سے بار بار ہمارے ذہن کو ترجمان القرآن کے مباحث و مسائل کی طرف متوجہ کرتا ہے۔ کیا اس نوع کی ان گنت مماثلتوں کے باوجود اس حقیقت سے انکار آسان ہے کہ ترجمان القرآن سے حاصل ہونے والی بصیرت ہی مولانا آزاد کے بعد کے اسلوب نگارش اور اسلوب فکر کے لیے سرچشمۂ فیض کی حیثیت رکھتی ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ مولانا آزاد کی ابتدائی علمی و ادبی کاوشیں بھی اپنی معاصر علمی و ادبی سرگرمیوں کے سیاق و سباق میں درجۂ اول کے درجے میں شمار کی جانے لگی تھیں، مگر خود مولانا کے اپنی ذہنی، فکری اور ادبی ارتقا میں وہ کون سا مرحلہ تھا جسے نقطۂ عروج کا نام دیا جا سکتا ہے؟ اس

سوال کا جواب بالعموم غبار خاطر کے حوالے سے دینے کی کوشش کی جاتی ہے، یا پھر ان کے اسلوب نگارش کے مطالعہ میں ارتقائی مراحل کو ہی نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ مولانا آزاد نے شروع سے ہی علمی اور صحافتی دنیا میں اپنی انفرادیت کے نقوش مرتسم کر دیے تھے، مگر کیا ایسا نہیں ہے کہ ان کی انفرادیت ابتدا ہی سے ان کے خاندانی پس منظر، علم وفضل اور مجتہدانہ انحراف کی رہین منت تھی اور اگر ایسا ہے تو یہ اس بات کا ثبوت بھی ہے کہ مولانا کے اظہار کے تمام وسائل میں ان کی ناپختہ انفرادیت بھی اس حد تک حیرت خیز اور مرعوب کن تھی کہ ان کی ابتدائی ناہموار نثر اور بوجھل اسلوب تحریر کو ہی برسوں تک ان کے بنیادی اسلوب کا نام دیا جاتا رہا۔ اس خلط مبحث کا نتیجہ یہ نکلا کہ مولانا کے ابتدائی زمانے کی نثری کاوشوں پر جو فیصلے صادر کیے گئے ان کا اطلاق مولانا کے متوازن، معتدل اور اسلوبیاتی نقطۂ نظر سے عمدہ ترین نمونوں پر بھی کر دیا گیا۔ جبکہ ان کے قدرے رواں اور نکھرے ہوئے نثری نمونے تذکرہ کے بعد کی تحریروں میں سامنے آنا شروع ہوئے۔ چوں کہ اس نوع کے ممتاز منفرد نثری اسلوب نگارش کی نمائندگی سب سے پہلے ترجمان القرآن سے اور بعد میں غبار خاطر سے ہوتی ہے۔ اس لیے مولانا آزاد کی نثر نگاری کے ارتقا کو ان کے ذہنی اور ادبی سفر کے پورے سیاق سباق میں رکھ کر دیکھا جانا چاہیے۔ دراصل ترجمان القرآن سے پہلے کی نثر ان کے اسلوب بیان کے تشکیلی دور کی نمائندگی کرتی ہے اور ترجمان القرآن کے بعد ان کی نثر نگاری خواہ وہ رام گڑھ کے تحریری خطبۂ صدارت (کانگریس) کی نثر ہو، یا غبار خاطر کی، ترجمان القرآن کے پختہ علمی اور تخلیقی اسلوب کی توسیع ہے۔

ترجمان القرآن کے اسلوب بیان کی جو مثالیں پہلے پیش کی جا چکی ہیں، ان میں علمی خطیبانہ اور عربی آہنگ زیادہ نمایاں ہے جب کہ تخلیقی انداز بیان کو محض زیریں لہروں کے طور پر ہی محسوس کیا جا سکتا ہے، لیکن اسی تفسیر میں اس تخلیقی نثر کے بھی بعض عمدہ نمونے ملتے ہیں جن کی تشکیل میں شعری اور جمالیاتی محرکات زیادہ اہم کردار ادا کرتے معلوم ہوتے ہیں۔ یہ نمونے علمی اور استدلالی شان سے بھی محروم نہیں اور ان میں اثر انگیزی اور سحر طرازی کی غیر معمولی قوت بھی پنہاں ہے:

> ''جس دنیا میں سورج روز چمکتا ہو، جس دنیا میں صبح ہر روز مسکراتی ہو اور شام ہر روز پردۂ شب میں چھپ جاتی ہو، جس کی راتیں آسمان کی قندیلوں سے مزین اور جس کی چاندنی حسن افروزیوں سے جہاں تاب رہتی ہو۔ جس کی بہار، سبزۂ وگل سے لدی ہوئی ہو اور جس کی فصلیں لہلہاتے ہوئے کھیتوں سے گرانبار ہوں، جس دنیا میں روشنی اپنی چمک، رنگ اپنی بوقلمونی، خوشبو اپنی عطر بیزی اور موسیقی اپنا نغمہ وآہنگ رکھتی ہو۔ کیا اس دنیا کا کوئی باشندہ آسائش حیات سے محروم اور نعمت معیشت سے مفلس ہو سکتا ہے۔''
>
> (ترجمان القرآن، ص:۴۷)

اس اقتباس میں شعری اور جمالیاتی محرکات کی کارفرمائی نے کیوں کر سحر کارانہ تاثر کا اعجاز پیدا کیا ہے اس کا راز دراصل، قرآنی لب ولہجہ کے ساتھ قوت متخیلہ کی شمولیت میں مضمر ہے۔ یہی تخیلی قوت سمندر کے طوفان اور بارش کے قطرے کو، بادل کی گرج اور فیضان رحمت کو، پہاڑوں کی آتش فشانی اور سطح زمین کے توازن کو اور چیونٹی کے انڈے سے نکلنے والے بچے اور دہقان کی جھولی سے گرے ہوئے دانے، جیسے غیر متعلق اور قدرے متخالف مظاہر فطرت کو، ایک دھاگے میں پرو دیتی ہے۔ تخیل کی یہی کارفرمائی ہے جو تفسیر قرآن میں قرآنی آہنگ کے ساتھ انصاف اور تخلیقی اپج رکھنے والے ذہن کی ہمہ جہت بصیرت کو ایک ساتھ، اسلوب فکر اور اسلوب نثر کا حصہ بنا دیتی ہے۔ اس اقتباس میں حسی پیکروں کی مدد سے قاری کے جملہ حواس کو متحرک کرنے کی طاقت بھی ہے اور بعض مجرد حقائق اور مجسم بنا کر پیش کرنے کی تمثیلی شان بھی۔ ترجمان القرآن کی علمی اور تخلیقی نثر کے ان نمونوں کو سامنے رکھ کر، اگر غبار خاطر کے ان حصوں کا مطالعہ کیا جائے جن میں خطیبانہ انداز اظہار کے ساتھ ساتھ شعری اور جمالیاتی طریق کار کی کارفرمائی نمایاں ہے، تو بہ آسانی محسوس کیا جا سکتا ہے کہ مولانا نے ترجمان القرآن میں متعین ہونے والے اسلوب کو بعد میں کن جہات سے آشنا کرنے کی کوشش کی ہے:

> ''کار باہر نکلی تو صبح مسکرا رہی تھی، سامنے دیکھا تو سمندر اچھل اچھل کر ناچ رہا تھا، نسیم صبح کے جھونکے احاطے کی روشنی میں پھرتے ہوئے ملے۔ یہ پھولوں کی خوشبو چن چن کر جمع کر رہے تھے اور سمندر کو بھیج رہے تھے کہ اپنی ٹھوکروں سے فضا میں پھیلاتا رہے۔'' (غبار خاطر، ص:۲۲)
>
> جس مرقع میں سورج کی چمک، درختوں کا رقص، پرندوں کا نغمہ، آب رواں کا ترنم اور پھولوں کی رنگیں ادائیں، اپنی اپنی جلوہ طرازیاں رکھتی ہوں... فطرت کی اس بزم نشاط میں تو وہی زندگی سج سکتی ہے جو ایک دہکتا ہوا دل پہلو میں اور چمکتی ہوئی پیشانی چہرے پر رکھتی ہو اور جو چاندنی میں چاند کی طرح نکھر کر،

ستاروں کی چھاؤں میں ستاروں کی طرح چمک کر، پھولوں کی صف میں پھولوں کی طرح کھل کر اپنی جگہ نکال سکتی ہو۔''

(غبار خاطر، ص:۷۶)

غبار خاطر کے شعری اور جمالیاتی طریق کار کے جو نمونے ان دو اقتباسات میں ملتے ہیں ان کا سلسلہ مزید مثالوں سے دراز تر کیا جا سکتا ہے اور بتایا جا سکتا ہے کہ جہاں مولانا نے تاج محل کے در و دیوار اور گنبد و مینار کو اپنی ستار نوازی اور نغمہ سرائی سے مسحور اور عالم وجد میں دکھانے کی کوشش کی ہے، یا جہاں چڑیا چڑے کی کہانی میں ایک نو آموز طائر بچے کو قوت پرواز سے آشنا ہوتے ہوئے دیکھا ہے وہاں اور اس طرح کے دوسرے غیر معمولی نثر پاروں میں، محولہ بالا مثالوں کی طرح، ان کے تخلیقی جوہر کے کیا کیا عناصر اپنا رول ادا کرتے نظر آتے ہیں۔ تاہم مختصراً یہ ضرور عرض کیا جا سکتا ہے کہ اس نوع کے تمام نثر پاروں میں حسن تعلیل، تمثیل نگاری، پراڈوکس کا استعمال اور بصری اور سمعی پیکر اس حد تک شامل ہو گئے ہیں کہ جگہ جگہ نثر اور شاعری کی تفریق تک مٹتی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ ظاہر ہے کہ اس کی توجیہ سوائے اس کے اور کچھ نہیں ہو سکتی کہ وہ نثر نگار جو تفسیر اور اصول تفسیر کی سخت پابندیوں میں بھی اپنے مخصوص علمی اور تخلیقی اسلوب نگارش کے جوہر دکھا چکا ہے وہ اپنے مکاتیب اور انشائیوں جیسی آزاد اصناف میں اپنی افتاد طبع اور جمالیاتی شعور کو استعمال کر کے نثر اور شعر کی روایتی حد فاصل کو کیوں عبور نہیں کر سکتا۔ اس موقع پر اگر ڈگلس (I.H. Douglas) کے ایک تجزیے کے دو نتائج کی مدد لیں تو بات مزید واضح ہو سکتی ہے۔ وہ مولانا کے دانش ورانہ اور مذہبی مزاج کے بارے میں اپنی رائے دیتے ہوئے مولانا کے ذہن کو اس طرح سمجھتا ہے:

''آزاد کے انداز نگارش اور شعری پیکر تراشی سے پتہ چلتا ہے کہ ان کے سوچنے سمجھنے کا انداز جذباتی زیادہ ہے اور عقلی کم ہے۔''

یا

''مذہب کے سلسلے میں آزاد کا ادراک ایک منضبط ذہن کے ماہر دینیات کا نہیں بلکہ ایک شاعرانہ ذہن رکھنے والے شخص کا ہے۔''

(I.H. Douglas, An Intellectual and Religious Biography)

ان دونوں باتوں سے مولانا آزاد کی نثر نگاری پر کسی براہ راست فیصلے کا تو ثبوت نہیں ملتا، مگر بالواسطہ طور پر اس تخلیقی ذہن کو سمجھنے میں پوری مدد ملتی ہے جو جذبے کی شمولیت اور شاعرانہ پیکر تراشی کے وسیلے سے اپنی نثر میں ایک نوع کی تخلیقی شان پیدا کر دیتا ہے، اور یہی ذہن جب مذہبی مباحث میں اپنے ذہن کی اس مخصوص رو کو شامل کر دیتا ہے تو ترجمان القرآن کی نثر بھی اپنے تمام علمی اور استدلالی رنگ و آہنگ کے باوجود ایک تخلیق کار کے قلم کا کرشمہ دکھائی دینے لگتی ہے، چنانچہ آزاد جیسے انوکھے نثر نگار کے انداز فکر میں ہی نہیں بلکہ اسلوب اظہار میں بھی علمی روایت اور تخلیقی مزاج کی کارفرمائی ایک ساتھ مشاہدہ کی جا سکتی ہے۔ روایت اور انفرادیت کی اس آمیزش کا پہلا اور بھرپور نمونہ ترجمان القرآن کے اسلوب تحریر میں اس لیے بھی نظر آتا ہے کہ ترجمان القرآن کے مباحث کا موضوع مولانا کے رویتی انداز فکر کی نمائندگی کرتا ہے اور ان محرکات کو بھی روبہ عمل لانے کا موجب بنتا ہے جو مولانا آزاد کی افتاد طبع اور جمالیاتی ذوق کا حصہ تھے۔

محولہ بالا تجزیے اور اسلوبیاتی موازنے کے بعد اس بات کے خاصے شواہد سامنے آجاتے ہیں کہ مولانا آزاد کا بنیادی اور مرکزی اسلوب نگارش ترجمان القرآن میں کیوں کر ظہور پذیر ہوا ہے اور ترجمان القرآن کے بعد کی تحریریں بالخصوص غبار خاطر کی نثر، کس طرح اس اسلوب کی توسیع کرتی ہیں۔

حوالہ جات:

۱۔ ابوالکلام آزاد، عبدالقوی دسنوی

۲۔ اردو کی ترقی میں مولانا آزاد کا حصہ، ڈاکٹر ابوسلمان شاہ جہاں پوری

۳۔ کثرت تعبیر، ابوالکلام قاسمی

◆◆◆

قلمی معاونین سے درخواست

- مسودات اور صاف اور خوش خط ارسال فرمائیں۔
- سطریں قریب قریب نہ ہوں ● لفظوں کو جوڑ کر نہ لکھیں جیسے: اندنوں، ہمکو، تمکو، چاہیکہ، انکو، رینگے، دینگے، اسکے، انکی، اسکے، کیلئے
- نئے نام اور غیر مانوس الفاظ واضح لکھیں۔